سورۂ مؤمنون کی ابتدائی دس آیات کی مستند تفسیر و توضیح
اور اسلامی تعلیمات کا بہترین مرقع

کامیاب مؤمنین کی سات صفات

محمد قاسم اوجھاری

ناشر:
اسلامی مرکز تحقیق واشاعت، اوجھاری، ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

تفصیلات

نام کتاب: کامیاب مؤمنین کی سات صفات
مرتب: محمد قاسم اوجھاری
صفحات: ۳۲
سن اشاعت: مارچ ۲۰۲۱ء شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ
ناشر: اسلامی مرکز تحقیق واشاعت، اوجھاری، ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

Published By:
islamic Research & Publication's Center
Ujhari, Amroha, UP, India (244242)

Email: Qasimujhari@gmail.com Qasimujhari@yahoo.com

Mobile: 9917778135 8630840535 9719452901
9457007920

فہرست

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، امابعد!

قرآن مقدس خدائے وحدہ لاشریک لہ کا وہ بنیادی پیغام اور اساسی دستور ہے جس کو جملہ کتب سماویہ اور تمام الہامی کتابوں اور صحیفوں میں امتیازی تفوق اور برتری حاصل ہے، قرآن کریم برکت وسعادت، روح خداوندی، معدن حیات اور سرچشمۂ زندگی ہے، ارشاد نبوی ہے: **فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلى سَائِرِ الْكِلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلىٰ خَلْقِه**۔ (ترمذی: ۲۹۲۶) کلام الٰہی کو دیگر تمام کلاموں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح اللہ کو اپنی تمام مخلوق پر برتری حاصل ہے۔ قرآن کریم وہ آسمانی کتاب ہے جس میں کسی بھی طرح کے شک وشبہ اور تردد وخلجان کا گذر تک نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** (سورۂ بقرہ ۲) یہ کتاب ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے، یہ کتاب ڈرنے والوں کے لئے سراپا ہدایت ہے۔ **ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الكِتابَ بِالحَقِّ** (سورۂ بقرہ ۱۷۶) اللہ نے قرآن کو حق اور سچائی کے ساتھ اتارا ہے۔ **وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ** (سورۂ اسرائیل ۱۰۵) ہم نے قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور وہ سچائی کے ساتھ اترا ہے۔

قرآن کریم کی شان تقدس کے چند شواہد:

کلام الٰہی کی شان تقدس پر یہ بھی شاید ہے کہ احکم الحاکمین کے کلام کو لانے والا فرشتہ افضل الملائکہ ہے۔ فرمان باری تعالی ہے: **عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى** (سورۂ نجم ۵) اس (محمد صلی

اللہ علیہ وسلم) کو سکھایا ہے سخت قوت والے نے، یعنی وحی بھیجنے والا تو اللہ تعالی ہے لیکن جس کے ذریعہ وحی نازل ہوئی اور جو بظاہر آپؐ کو سکھاتا ہے وہ بہت زیادہ قوتوں والا، بڑا زورآور حسین و وجیہ فرشتہ ہے، جسے جبرائیل امین کہتے ہیں۔ اور جس پر نازل ہوا وہ ذات خلاصۂ کائنات ہے، ارشاد خداوندی ہے: نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتابَ بِالْحَقِّ (سورۂ آل عمران ۳) اللہ نے آپؐ پر قرآن کریم کو سچائی کے ساتھ اتارا ہے، نیز ارشاد ہے: هُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ (سورۂ آل عمران ۷) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آپ پر قرآن کریم کو نازل فرمایا، اور جس مہینے میں قرآن کا نزول ہوا وہ مہینہ تمام مہینوں کا سردار ہے یعنی رمضان المبارک کا مہینہ۔ ارشاد باری تعالی ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰن (سورۂ بقرہ ۱۸۵) رمضان کا وہ مبارک مہینہ جس میں قرآن کریم نازل ہوا، اور جس رات میں یہ کلام اترا وہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، ارشاد خداوندی ہے: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِىْ لَيلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيلَةُ الْقَدْرِ، لَيلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ (سورۂ قدر) ہم نے اس کلام (قرآن کریم) کو شب قدر میں اتارا ہے اور شب قدر ہزار مہینوں سے افضل اور بہتر ہے۔ قرآن کریم کے لوح محفوظ سے حضرت جبرائیل کے واسطے سے بحفاظت پیغمبر علیہ السلام کے قلب اطہر پر اتارے جانے کا تعارف کراتے ہوئے باری تعالی کا ارشاد ہے: وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الأَمِينُ، عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ۔ (سورۂ شعراء 192-195) اور قرآن کریم اللہ رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ صاف عربی زبان میں آپ کے قلب (مبارک) پر لے کر آیا ہے، تاکہ آپ بھی ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

تحمل قرآن سے زمین اور آسمان کا انکار:

قرآن کریم کی عظمت شان کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے اس کلام کو آسمانوں پر پیش کیا، پھر زمین کو کہا، پھر پہاڑوں کو مخاطب کیا،

لیکن سب نے تقدس کے پیش نظر تحمل کرنے اوراس کا بوجھ برداشت کرنے سے اپنی کم مائیگی اور عاجزی کا اظہار کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:اِنَّا عَرَضنَا الاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الاَرضِ وَ الجِبَالِ فَاَبَینَ اَن یَّحمِلنَھَا وَ اَشفَقنَ مِنھَا۔ (سورۂ احزاب ۷۲) یقیناہم نے اپنی امانت (قرآن) کوآسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا،لیکن سب نے اس کا تحمل کرنے سے انکار کر دیا،اوروہ سب اس سے پیچھے ہٹ گئے۔

قرآن کا محافظ خودرب ذوالجلال ہے:

رب ذوالجلال کی دیگرآسمانی کتابوں اورصحیفوں کے مقابلہ میں قرآن مقدس کو یہ اعجاز بھی حاصل ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خودذات واجب الوجود نے لی ہے،فرمان باری تعالی ہے: إِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَإِنَّا لَہُ لَحٰفِظُونَ (سورۂ حجر ۹) ہم نے ہی قرآن کوتھوڑا تھوڑانازل کیا،اورہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

پچھلی امتوں پر نازل کردہ کتابوں اورصحیفوں کی حفاظت کی ذمہ داری خودان ہی پر ڈالی گئی تھی،لیکن وہ اپنے فرائض منصبی کوادانہ کرسکے،جس کی بناء پرذاتی مفادات کے پیش نظر تغیرات زمانہ کے ساتھ ان کتابوں میں تحریف وتبدیلی ہوتی گئی،قرآن کریم نے کبھی بھی کسی تغیروتبدیلی کوقبول نہیں کیااورنہ ہی کرسکتاہے، کیونکہ اس کا محافظ خودرب ذوالجلال ہے۔

قرآن بذات خودایک معجزہ ہے:

قرآن مقدس بذات خود ایک معجزہ ہے، اس کی فصاحت و بلاغت، زبان و بیان، حقائق ومعارف، جامعیت اورحقانیت اظہرمن الشمس ہے، یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے تمام عالم کے لئے کہیں:قُل لَّئِنِ اجتَمَعَتِ الاِنسُ وَ الجِنُّ عَلٰی اَن یَّاتُوا بِمِثلِ ھٰذَا القُرآنِ (سورۂ بنی اسرائیل ۸۸) کہیں فَاتُوا بِعَشرِ سُوَرٍ مِّثلِہٖ مُفتَرَیٰتٍ (سورۂ ہود ۱۳)اورکہیں

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِنْ مِّثْلِه (سورۂ بقرہ ۲۳) کی شکل میں ایسا چیلنج ہے، جس کی مثال پیش کرنے سے ساری کائنات عاجز ہے، اس کی نظیر نہ کوئی لا سکا ہے، اور نہ ہی لاسکتا ہے، جس طرح خدا کی بنائی ہوئی زمین، آسمان، چاند، سورج اور ستارے وغیرہ بنانے سے ساری دنیا عاجز و قاصر ہے، اسی طرح خدا کے قرآن جیسا کلام بنانے سے بھی دنیا عاجز ہے۔ اور کلام الٰہی کی یہ معجز نمائی تا ابد اسی شان کے ساتھ باقی رہے گی۔

قرآن ناقابل ترمیم ہے:

یہ بات ساری دنیا پر آشکارا ہے کہ قرآن کریم سچی آسمانی کتاب ہے، اس میں تا قیامت کسی تبدیلی اور تغیر کا نہ تو امکان ہے اور نہ ہی کسی کو اختیار ہے، وہ اپنی حرکات وسکنات، زیر وزبر، نقطے اور اعراب بلکہ طرز ادا، رسم الخط اور لہجے کے ساتھ جوں کا توں محفوظ ہے، یہ ذات برحق کا وہ دائمی کلام ہے جس میں دخل دینے کا کسی انسان کو اختیار نہیں ہے، امتی تو کجا خود صاحب قرآن کو بھی اپنی طرف سے اس میں اضافہ یا کمی کا اختیار نہیں، قرآن واضح انداز میں اعلان کرتا ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ، لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ، ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ، فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ، وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (سورۂ حاقہ) اور اگر وہ (رسول) بنالاتا ہم پر جھوٹی باتیں تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی گردن کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی اس (سزا) سے بچانے والا نہ ہوتا؛ یقیناً قرآن کریم متقیوں کے لیے نصیحت ہے۔

دور نبوت میں کفار نے تبدیلیٔ قرآن کا مطالبہ کیا تھا، قرآن کریم نے اس کی منظر کشی اس طرح کی ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا الخ (سورۂ یونس ۱۵) اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل واضح اور صاف ہیں تو یہ لوگ جنہیں ہمارے پاس آنے کی توقع نہیں، آپ سے یہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ دوسرا

قرآن لائیے، یا اس میں کچھ ترمیم کردیجئے؛ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے ترمیم کروں۔

ان واضح آیات اور قرآنی اعلانات کے بعد قرآن مقدس میں ادنی سی بھی تبدیلی کا تصور نہیں کیا جاسکتا؛ قرآن کریم کے متعلق یہ بے لاگ نظریہ اور دوٹوک موقف اس کی حقانیت کی بین اور کھلی ہوئی دلیل ہے۔

قرآن اور اس کی جامعیت:

قرآن اللہ کی ایسی جامع کتاب ہے، جس میں تہذیب اخلاق، طریق تمدن و معاشرت، اصول حکمت وسیاست، ترقیٔ روحانیت، تحصیل معرفت ربانی، تزکیۂ نفوس، تنویر قلوب، تنظیم ورفاہیت خلائق، وصول الی اللہ غرض یہ کہ وہ تمام قواعد وضوابط اور سنہری اصول نظر آئیں گے جن سے آفرینش عالم کی غرض کی تکمیل ہوئی ہے؛ اس کتاب کا جامع، مؤثر اور دل ربا طرز بیان، اسالیب کلام کا تفنن، اس کی لذت وحلاوت اور شہنشاہانہ شان وشوکت وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جنہوں نے سارے عالم کومقابلہ کا چیلنج دیا ہے۔

نوع انسانی سے مطالبۂ قرآنی:

انّ ھٰذا القرآنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ أَقْوَم (سورۂ بنی اسرائیل ۹) کے مطابق انسانوں کی ہدایت ورہنمائی اور وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْن (سورۂ بنی اسرئیل ۸۲) کے مطابق نوع انسانی کی جلی، خفی، ظاہری اور باطنی بیماریوں کے لیے شفا اور رحمت ہونے کے ساتھ یہ کلام مقدس ایک دستور حیات اور مشعل زندگی ہے۔ قرآن ایک زندۂ وجاوید اور عالمگیر کتاب ہے، ایک بولتا ہوا مرقع اور آئینہ ہے، جس میں افراد اپنے چہرے اور قومیں اپنی صورتیں دیکھ سکتی ہیں، اس میں قوموں اور سلطنتوں کے عروج وزوال کا انجام دیکھ کر عبرتیں اور نصیحتیں

حاصل کی جاسکتی ہیں، اس میں ہر عہد، ہر نسل اور ہر طرح کے حالات کے لئے رہنمائی موجود ہے، یہ ایسا لازوال، دائمی، تازہ اور تابندہ معجزہ ہے جو رہنمائی کی بھرپور صلاحیتوں سے معمور ہے؛ قرآن ایسا خزانۂ عامرہ اور بحرِ عمیق ہے جو آبدار اور بیش بہا موتیوں کا مخزن ہے۔

اسی لئے یہ انسانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے سینے سے لگاؤ، مجھے اپناؤ اور میرے ضابطوں کے مطابق زندگی گذارو، تم ہمیشہ سرخ رو اور کامران رہو گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** (سورۂ انعام ۱۵۵) یہ ایک ایسی کتاب ہے، جس کو ہم نے نہایت برکت والی بنا کر اتارا ہے، لہٰذا تم اس کی اتباع کرو، اور ڈرتے رہو، تا کہ تم پر رحمت نازل ہو۔

جو شخص قرآن کے پیغام کو سمجھ کر اس سے منسوب ہوجاتا ہے اور قرآن سے اپنا رشتہ مضبوط کر لیتا ہے، دارین کی کامیابی اور سرخ روئی اس کا مقدر بن جاتی ہے؛ اور جو اس سے لاتعلقی برتتا ہے، اس سے اپنا جوڑ و تعلق باقی نہیں رکھتا وہ دونوں جہاں میں ذلیل اور رسوا ہوجاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ** (مسلم ۱/۲۷۲) اللہ تعالی اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو عزت و شرافت کا بلند مقام عطا کرتا ہے؛ جبکہ کچھ لوگوں کو اس کے ذریعے ذلت و رسوائی کے گہرے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔

ایمان والوں کی صفات:

قرآن اور حدیث میں مؤمنین کی بہت سی صفات بیان کی گئی ہیں اور ان صفات کو اپنانے کی ترغیب دیتے ہوئے دارین میں کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے؛ قرآن کریم میں سورۂ مؤمنون کے شروع میں اللہ رب العالمین نے مؤمنین کاملین کی سات صفات بیان کی ہیں اور ان صفات کے حاملین کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت دیتے ہوئے جنت الفردوس کا

وارث قرار دیا ہے۔ وہ سات صفات اتنی جامع ہیں کہ تمام حقوق اللہ، حقوق العباد اور ان سے متعلقہ احکام ان صفات کے اندر آجاتے ہیں، جو آدمی ان صفات سے متصف ہوجائے وہ مؤمن کامل ہے، دنیاوآخرت کی کامیابی کا مستحق ہے اور جنت الفردوس کا وارث ہے۔

مسند احمد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز آتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے، ایک دن آپ کے پاس ایسی ہی آواز سنی گئی، ہم ٹھہر گئے، تاکہ تازہ آئی ہوئی وحی سن لیں، جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آپ قبلہ رخ ہوکر بیٹھ گئے، اور یہ دعا کرنے لگے: **اللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَأَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا، وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا، وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا، وَأَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا۔** (اے اللہ ہمیں زیادہ دے، کم نہ کر، اور ہماری عزت بڑھا، رسوا نہ کر، اور ہم پر بخشش فرما، محروم نہ کر، اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے، ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے، اور ہم سے راضی ہوجا اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کردے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت مجھ پر ایسی دس آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص ان پر پورا پورا عمل کرے، تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا، پھر سورۂ مؤمنون کی ابتدائی دس آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ (مسند احمد، تفسیر ابن کثیر)

امام نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن بابنوس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کیسا اور کیا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ کا خلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے، اس کے بعد سورۂ مؤمنون کی ابتدائی دس آیتیں تلاوت کرکے فرمایا کہ بس یہی خلق وعادت تھی رسول اللہ کی۔ (ابن کثیر)

زیر نظر کتاب میں انہی دس آیات کی تفسیر اور توضیح کی گئی ہے، جن میں کامیاب مومنین کی سات صفات بیان کی گئی ہیں؛ یہ اسلامی تعلیمات کا بہترین مرقع ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی

ہمیں یہ صفات اپنانے اور مؤمن کامل بننے کی توفیق عطا فرمائے، دنیا وآخرت میں کامیابی وسرخ روئی اور جنت الفردوس میں ہمارا حصہ مقدر فرمائے اس، اور اس کتاب کو امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔آمین

محمد قاسم اوجھاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُروجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَامَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُوْلَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سورۃ المؤمنون)

(ترجمہ) یقینا وہ ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں، اور جو لغو (فضول باتوں اور کاموں) سے اعراض کرنے والے ہیں، اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں، اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے، جو شخص اس کے علاوہ راستہ تلاش کرے گا تو یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

مذکورہ آیات میں کامیاب مؤمنین کی سات صفات بیان کی گئی ہیں اور ان سات صفات کے حاملین مؤمنین کے بارے میں اللہ رب العزت نے کہا ہے کہ یہ لوگ کامیاب ہیں، یعنی دنیا میں بھی کامیاب ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب ہیں، دنیاوی کامیابی یہی ہے کہ یہ لوگ تمام قسم کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہیں گے اور دنیا ان کو عزت وشرافت کی نگاہ سے دیکھے گی۔ چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ مؤمنین کاملین دنیا میں عیش وآرام اور سکون کی

زندگی گزارتے ہیں، دنیا میں اگران پر کوئی وقتی تکلیف یا مصیبت آ بھی جاتی ہے تو بہت جلد اس کا ازالہ ہوجاتا ہے، اورانجام کاران کی تکلیف اور پریشانی بالکل ختم ہوجاتی ہے؛ ساری دنیا ان کی عزت اوراحترام کرتی ہے، ان کا نیک نام دنیا میں ہمیشہ باقی رہتا ہے، اوراخروی کامیابی یہ ہے کہ اللہ رب العزت ان کو جنت الفردوس میں داخل فرمائیں گے، اوروہ جنت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، وہ سات صفات مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی صفت

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْن: کامیاب مومنین کی پہلی صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں، خشوع کے لغوی معنی سکون کے ہیں اور اصطلاح شرع میں خشوع فی الصلاۃ یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو، یعنی غیر اللہ کے خیال کو بالقصد دل میں حاضر نہ کیا جائے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو، یعنی عبث اور فضول حرکتوں سے پرہیز کیا جائے، خصوصاً وہ حرکتیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نماز منع فرمایا ہے، اور فقہاء نے ان کو مکروہات نماز کے عنوان سے شمار کرایا ہے۔ مثلاً نماز میں ادھرادھر نظریں گھمانا، بدن یا کپڑے کے کسی حصہ سے کھیلنا، انگلی چٹخانا، ادھرادھر کے خیالات لانا وغیرہ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے، جب وہ دوسری طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تعالی اس سے رخ پھیر لیتے ہیں۔ (رواہ احمد والنسائی) ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو۔ (رواہ البیہقی فی السنن الکبری، تفسیر مظہری)

خشوع وخضوع نماز کی روح ہے، خشوع کے بغیر نماز بے جان ہے، آج ہم اپنی نمازوں کا جائزہ لیں کہ ہماری نمازوں میں کس قدر خشوع پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری نمازیں خشوع وخضوع سے مکمل خالی نظر آتی ہیں۔ نیت باندھ کر دکانوں، مکانوں کے حساب اور دنیاوی خیالات شروع کر دیے جاتے ہیں، بعض مرتبہ نماز مکمل ہو جاتی ہے اور یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں اور کونسی سورتیں پڑھیں؟ اور بعض حضرات کو تو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ ہم نے نماز پڑھ لی ہے یا نہیں؟ اسی لیے امام غزالیؒ اور علامہ قرطبیؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ اگر پوری نماز خشوع کے بغیر گزر جائے تو نماز ہی نہ ہوگی، لیکن دیگر حضرات نے اس میں گنجائش نکالی ہے اور کہا ہے کہ فرض تو ادا ہو جائے گا، البتہ ثواب اور قبولیت سے محرومی ہوگی۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ خشوع صحت نماز کے لئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجے میں وہ فرض نہیں مگر قبول نماز کے لیے موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔ (بیان القرآن) ایک روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلی چیز جو اس امت سے اٹھ جائے گی وہ خشوع ہے، یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہیں آئے گا۔ (مجمع الزوائد) آج یہی صورت حال ہے، نمازوں سے خشوع وخضوع بالکلیہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔

نماز کا کامل اور اکمل طریقہ یہی ہے کہ پوری یکسوئی، خشوع وخضوع اور دل جمعی کے ساتھ پڑھی جائے، ادھر ادھر کے خیالات سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ البتہ فطری طور پر کبھی کبھار کچھ خیالات وغیرہ آ جائیں تو وہ عفو کے درجہ میں ہیں۔ ہر وقت یہی ذہن میں رہے کہ ہم بارگاہ رب العالمین میں کھڑے ہیں اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ، فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ (بخاری شریف، رقم ۵۰) تم اللہ کی عبادت اس طرح کیا کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، ورنہ تو یہ ضرور سمجھنا چاہیے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے،

کامیاب مؤمنین کی پہلی صفت یہ بتائی جا رہی ہے کہ وہ لوگ خشوع وخضوع کے ساتھ

نماز ادا کرتے ہیں۔

دوسری صفت

وَالذِینَ ھُمْ عَنِ اللغْوِ مُعْرِضُون: دوسری صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ لغو باتوں اور فضول کاموں سے احتراز کرتے ہیں، لغو کے معنی ہیں فضول کلام یا ایسا کام جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو، لغو کا اعلی درجہ معصیت اور گناہ ہے، جس میں دینی فائدہ نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر اور نقصان بھی ہے، اس سے پرہیز واجب ہے، اور ادنی درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو اور نہ مضر، اس کا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ۔** (رواہ ترمذی ۲۳۷۷) انسان کا اسلام جن چیزوں سے اچھا ہوسکتا ہے، ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لایعنی اور بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔

آج ہم دنیا کی ظاہری چمک دمک، نئی ایجادات اور لغویات میں مست ہوکر دین سے بے خبر ہوتے جارہے ہیں، موبائل کا بیجا استعمال، انٹرنیٹ کی فحش اور لایعنی ویب سائٹیں، ویڈیو گیمز، کھیل کود کے مظاہرے، فحش فلمی گانوں اور ڈراموں نے انسانی ذہنوں پر ایک عجیب کیفیت مسلط کردی ہے، ہم لغویات اور گناہوں کے کاموں کے ایسے عادی اور دیوانے ہوتے جارہے ہیں کہ قوت احساس بھی بالکلیہ ختم ہوتی جارہی ہے، دن نکلتا ہے اور گھڑی کی سوئی گھومتے گھومتے شام ہوجاتی ہے اور یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ ہماری اس مختصر سی زندگی کے یہ قیمتی اوقات کہاں گزرنے چاہیے تھے اور کہاں گزر رہے ہیں؟ جب ہمارا یہ حال ہو چکا ہے تو ذرا سوچئے کہ ہمارا انجام کیا ہوگا؟ ہماری نسل نو کیا سبق سیکھے گی؟ اور اس کا مستقبل کیسا ہوگا؟ بے شمار لوگ ایسے ہیں جن کو خواہشات نفس، لہو اور لغویات نے اندھا کردیا ہے، ایسے دیوانے اور

مست ہوتے جا رہے ہیں کہ نہ اہل خانہ کی کچھ پرواہ ہے، نہ خاندان کی، نہ بڑوں کا کچھ ادب ہے نہ چھوٹوں کی تربیت کی فکر، حتی کہ نہ مخلوق کی کچھ خبر ہے اور نہ خالق کائنات کی، انہوں نے تو بس لہو ولغویات اور خواہشات ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے، بس صبح سے شام تک انہی کاموں کی تکمیل میں مصروف رہتے ہیں۔

یاد رکھیں! دنیا کی ظاہری چمک دمک، لہو اور لغویات صرف وقتی چیزیں ہیں، ان کو ثبات اور قرار نہیں ہے، ایک نہ ایک دن یہ سب ختم ہو جائیں گی، یہ صرف ایک تماشہ ہیں۔ لہٰذا اپنی عمر عزیز کو ان گناہ کے کاموں اور فضول چیزوں میں صرف نہ کریں، ہماری زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے، ہر وقت دین اور اپنے ایمان کی فکر ہو، انابت الی اللہ اور دعوت الی اللہ کا جذبہ ہمارے دلوں میں موجزن ہو، تبھی ہم دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

کامیاب مؤمنین کی دوسری صفت یہ بیان کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ فضول باتوں اور فضول کاموں سے احتراز کرتے ہیں۔

تیسری صفت

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ: تیسری صفت یہ بیان کی جا رہی ہے کہ وہ لوگ اپنے اعمال واخلاق میں اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔ زکوۃ کے لغوی معنی پاک کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مخصوص مال میں مخصوص افراد کے لیے مال کی ایک متعین مقدار کے خرچ کرنے کو زکوۃ کہتے ہیں۔ (الاختیار لتعلیل المختار ۱/۱۹۹) قرآن کریم میں زکاۃ کا لفظ عام طور پر اسی اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے، لیکن زکاۃ کے ایک معنی تزکیۂ نفس کے بھی ہیں، اور یہاں پر دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، زکوۃ بھی اور تزکیۂ نفس بھی۔ اگر زکوۃ مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ کامیاب مؤمنین اپنے مخصوص مالوں کی زکوۃ ادا کرتے ہیں۔

زکوۃ اسلام کا ایک اہم بنیادی رکن ہے۔ زکوۃ کی فرضیت شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنے سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا، زکاۃ کی فرضیت ہجرت مدینہ سے پہلے ہوئی، اور بعض آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نفس فرضیت تو ہجرت سے پہلے ہوگئی تھی، لیکن اس کے تفصیلی احکامات ہجرت کے بعد نازل ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ رب العزت نے مالدار لوگوں کے مال میں غریب اور حاجت مندوں کے لئے مال کا ایک حصہ متعین کیا ہے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے جاری کردہ اس حکم کی بجا آوری ہر صاحب نصاب مسلمان کے لیے ضروری ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کے بے شمار فوائد، ثمرات اور برکات ہیں۔ مثلاً:

زکوۃ کی ادائیگی کی وجہ سے اللہ تعالی مال کو بڑھاتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ ۲۶۷ - بخاری ۱۴۱ا)

زکوۃ کی وجہ سے اجر وثواب سات سو گنا بڑھ جاتا ہے۔ (سورۂ بقرہ ۲۶۱ - بیضاوی ۲۶۱)

زکاۃ کی وجہ سے ملنے والا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے، ہمیشہ باقی رہے گا۔ (الفاطر ۲۹۔ ۳۰)

اللہ تعالی کی رحمت ایسے افراد (زکوۃ ادا کرنے والوں) کا مقدر بن جاتی ہے۔ (الاعراف ۱۵۶)

قبر میں زکوۃ اپنے ادا کرنے والے کو عذاب سے بچاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۷/ ۳۷۴ بیروت)

انسان کے مال کی پاکی کا ذریعہ زکات ہے۔ (مسند احمد ۱۲۳۹۴)

زکوۃ انسان کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/ ۶۳ کتاب الزکاۃ)

زکوۃ سے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی، کتاب الزکاۃ ۳/ ۲۸۲ بیروت)

زکوۃ سے مال کا شر ختم ہو جاتا ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی، کتاب الزکاۃ ۷۳۹۷)

اور سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ زکوۃ ادا کرنے والوں کے بارے میں اللہ رب العالمین نے کہا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں بھی کامیاب ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب ہیں۔ (المؤمنون، آیت ۴)

فریضۂ زکاۃ کی ادائیگی پر جہاں بہت سے فوائد و برکات اور من جانب اللہ انعامات کے وعدے ہیں، وہیں اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت برتنے والوں کے لئے قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں، اور دنیا وآخرت میں ایسے لوگوں کے اوپر آنے والے وبال کا ذکر بھی کثرت کے ساتھ کیا گیا ہے؛ مثلاً:

جولوگ زکوۃ ادانہیں کرتے ان کے مال کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (سورۂ توبہ ۳۴۔۳۵)

ایسے لوگوں کے مال کو طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ (آل عمرآن ۱۸)

زکوۃ ادا نہ کرنا جہنم والے اعمال کا ذریعہ بنتا ہے۔ (سورۂ اللیل ۵ تا ۱۱)

ایسے شخص کا مال قیامت کے دن ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا، جس کے سر کے بال جھڑ چکے ہونگے اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے، پھر وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں۔ (بخاری شریف ۲/۱۱۰ کتاب الزکاۃ)

زکوۃ ادا نہ کرنے والا مرتے وقت زکوۃ ادا کرنے کی تمنا کرے گا، لیکن اس کے لیے سوائے حسرت کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ (سورۂ منافقون ۱۰ - بخاری ۲/۱۱۰)

زکوۃ ادا نہ کرنے والے کے لئے آگ کی چٹانیں بچھائی جائیں گی، اور ان سے اس شخص کے پہلو، پیشانی اور سینہ کو داغا جائے گا۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الزکاۃ)

ایسے لوگوں کو جہنم میں ضریع، زقوم، گرم پتھر، کانٹے دار اور بدبودار درخت کھانے پڑیں گے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، رقم ۶۷۹)

زکوۃ ادا نہ کرنے والوں سے قیامت کے دن حساب کتاب لینے میں بہت زیادہ سختی کی جائے گی۔ (مجمع الزوائد ۳/ ۶۲)

جب لوگ زکوۃ روک لیتے ہیں تو اللہ تعالی اس کے بدلے میں بارشیں روک لیتے ہیں۔

(مستدرک حاکم ۲۵۷۷)
جب کوئی قوم زکوۃ روک لیتی ہے تو اللہ تعالی اس قوم کو قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ (المعجم الاوسط للطبرانی رقم ۴۵۷۷)

اس طرح کی بہت سی سزائیں اور وعیدات زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں۔

آج اگر جائزہ لیا جائے تو زکات ادا کرنے والے بہت ہی کم لوگ نظر آئیں گے، امت کا ایک بڑا طبقہ زکوٰۃ کے سلسلے میں غفلت کا شکار ہے۔ یاد رکھیں! مال و دولت اللہ رب العالمین کا عطا کیا ہوا ہے، اللہ جس طرح دینا جانتا ہے، اسی طرح لینا بھی جانتا ہے؛ لہٰذا فریضہ زکوۃ میں بالکل کوتاہی نہ برتی جائے، اللہ رب العالمین نے جن حضرات کو صاحب وسعت (صاحب نصاب) بنایا ہے، وہ اپنے مالوں کی زکوۃ ضرور ادا کریں۔

جس شخص کے پاس ۸۷ رگرام ۴۸۰ ملی گرام سونا یا ۶۱۲ رگرام ۳۶۰ ملی گرام چاندی ہو یا اتنا روپیہ پیسہ ہو جس سے چاندی کی مذکورہ مقدار خریدی جا سکے، تو وہ صاحب نصاب ہے اور اس کے اوپر زکاۃ فرض ہے۔ (شامی، بدائع الصنائع، ہندیہ)

آیت کریمہ میں دوسرے معنی (تزکیۂ نفس) مراد لئے جائیں تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کامیاب مومنین اپنے نفس کو رذائل سے پاک رکھتے ہیں۔ شرک، ریا، تکبر، حسد، بغض، حرص اور بخل وغیرہ سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔ یہ سب چیزیں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں؛ نفس کو ان سے پاک کرنا ضروری ہے۔ بہر حال اگر زکوۃ مراد لی جائے تو اس کی ادائیگی بھی صاحب استطاعت کے لئے ضروری ہے، اور اگر تزکیۂ نفس مراد لیا جائے تو نفس کو رذائل سے پاک کرنا بھی ضروری ہے؛ ہمیں اپنے اندر دونوں صفتیں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

چوتھی صفت

وَالذِینَ ھُمۡ لِفُرُوجِھِمۡ حَافِظُون الخ: چوتھی صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ اپنی بیویوں اور شرعی باندیوں کے ساتھ خواہش پوری کرنے کے علاوہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطے کے مطابق شہوت نفس پوری کرنے کے علاوہ کسی اور کے ساتھ ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔

اللہ تبارک وتعالی نے جہاں فطرت انسانی میں قوت بہیمیہ اور قوت شہوانیہ رکھی ہے، وہیں اس ضرورت کی تکمیل کے لئے جائز طریقے اور حدود بھی بتائے ہیں، اور ناجائز طریقہ اختیار کرنے پر سخت سزاؤں کا اعلان بھی کیا ہے۔لیکن دنیا ان جائز طریقوں کو چھوڑ کر ناجائز طریقوں سے شہوت نفس پورا کرنے کی عادی ہوتی جارہی ہے، دنیا میں زنا اور حرام کاری کی ایسی وبا چل رہی ہے جو رکنے کا نام نہیں لے رہی ہے۔پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا: **یا بغایا العرب، یا بغایا العرب، ان اخوف ما اخاف علیکم الزناء والشھوۃ الخفیۃ۔** (رواہ الطبرانی، الترغیب والترھیب رقم ۳۶۴۳) اے عرب کے بدکارو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر اور خطرہ زنا اور پوشیدہ شہوت سے ہے۔

زنا کاری اور حرام کاری گناہ کبیرہ ہونے کے ساتھ ایسی خطرناک بیماری ہے، جس سے پورا معاشرتی نظام تباہ وبرباد ہوجاتا ہے، فتنہ وفساد اور خون خرابہ کی نوبت بھی آجاتی ہے، حتی کہ نسلیں تک مشتبہ ہوجاتی ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتَزَالُ أُمّتي بِخَيْرٍ ما لمْ يَفْشَ فيهِمْ ولَدُ الزِّنا، فإذا فَشَا فيهِمْ ولَدُ الزِّنا، فأَوْشَكَ أنْ يَعُمّهُمُ اللہ بعذاب۔** (مسند احمد ۶/۳۳۳، الترغیب والترھیب رقم

۳٦٦۳) میری امت اس وقت تک برابر خیر میں رہے گی، جب تک کہ ان میں حرام اولاد کی کثرت نہ ہو؛ اور جب ان میں حرام اولاد کی کثرت ہوجائے گی تو عنقریب اللہ تعالی ان کو عمومی عذاب میں مبتلا کردے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: **اذا ظهر الزناء والرباء فی قرية فقد احلوا بانفسهم عذاب الله عز وجل۔** (معجم کبیر للطبرانی ۱/۱۷۸۔ مستدرک حاکم ۲/۳۷) جب بھی کسی قوم میں زناکاری یا سودخوری کی کثرت ہوگی، وہ اپنے آپ کو عذاب خداوندی کا مستحق بنالے گی۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ علیہ السلام نے اپنا طویل خواب حضرات صحابۂ کرام سے بیان فرمایا: کہ رات سوتے ہوئے خواب میں دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر چلے، پھر بہت سے ایسے لوگوں پر ہمارا گزر ہوا جنہیں طرح طرح کے عذاب دیئے جارہے تھے۔ اسی میں آپ علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا: **فاتينا على مثل التنور، قال واحسب انه كان يقول: فاذا فيه لغطٌ واصوات قال فاطلعنا فيه فاذا فيه رجال ونساء عراة فاذا هم ياتيهم لهب من اسفل منهم فاذا اتاهم ذلك اللهب ضوضوا،۔۔۔۔اما الرجال والنساء العراة الذين هم فی مثل بناء التنور فانهم الزناة والزوانی الخ۔** (بخاری ۲/۴۴) پھر ہم تنور جیسی جگہ پر آئے؛ راوی کہتے ہیں غالبا آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ اس تنور کے اندر سے چیخ و پکار کی آوازیں آرہی تھیں، آپ نے فرمایا کہ جب ہم نے اس میں جھانکا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں اور ان کے نیچے سے آگ کی لپٹ آرہی تھی، تو جب آگ کی لپٹ آتی تھی تو وہ شور مچاتے تھے، (پھر آپ نے ان لوگوں کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا) وہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں جو تنور جیسی جگہ میں تھے، وہ زناکار مرد اور عورتیں تھیں۔

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ زناکاروں کی یہ فضیحت آمیز اور ذلت ناک سخت سزا ان

کے جرم کے عین مطابق ہے، اس لیے کہ زنا کار عموما لوگوں سے چھپ کر یہ جرم کرتے ہیں، اس کا تقاضہ ہوا کہ انہیں ننگا کر کے رسوا کیا جائے اور زنا کار جسم کے نچلے حصے سے گناہ کرتے ہیں، جس کا تقاضہ ہوا کہ تنور میں ڈال کر نیچے سے آگ دہکائی جائے۔ (کرمانی، فتح الباری، بحوالہ حاشیہ بخاری ۲/ ۱۰۴۴)

ایک دوسری روایت میں حضرت ابو امامہ باہلی نے بھی آپ علیہ السلام کے طویل خواب کا ذکر فرمایا ہے، جس میں مذکور ہے: **ثم انطلق بی فاذا انا بقوم اشد شیئ انتفاخا و انتنہ ریحا کان ریحھم المراحیض، قلت من ھؤلاء، قال ھولاء الزانون۔** (الترغیب والترھیب رقم ۳۶۴۸) پھر مجھے لے جایا گیا، تو میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو (سڑنے کی وجہ سے) بہت پھول چکے تھے اور ان سے انتہائی سخت بدبو آرہی تھی، گویا کہ پاخانوں کی بدبو ہو، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ زنا کار لوگ ہیں۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: **ان السموات السبع والارضین السبع لیلعن الشیخ الزانی وان فروج الزناۃ لیؤذی اھل النار نتن ریحھا۔** (الترغیب والترھیب رقم ۳۶۵۹) ساتوں آسمان اور ساتوں زمین بوڑھے زنا کار پر لعنت کرتے ہیں اور بدکار عورتوں کی شرمگاہوں کی بدبو سے خود جہنمی بھی اذیت میں ہوں گے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **تفتح ابواب السماء نصف اللیل فینادی مناد ھل من داع فیستجاب لہ؟ ھل من سائل فیعطی؟ ھل من مکروب فیفرج عنہ؟ فلا یبقی مسلم یدعو بدعوۃ الا استجاب اللہ عز وجل الا زانیۃ تسعی بفرجھا او عشارا۔** (الترغیب والترھیب رقم ۳۶۴۴) آدھی رات کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور منادی آواز لگاتا ہے کہ کیا کوئی پکارنے والا ہے، جس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی سائل ہے، جسے نوازا جائے؟ کیا کوئی پریشان حال ہے، جس کی پریشانی دور کی جائے؟ تو ہر دعا مانگنے والے

مسلمان کی دعا اللہ تبارک وتعالی قبول فرما لیتے ہیں، سوائے اپنی شرمگاہ کو بدکاری میں لگانے والی زانیہ اور ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کے۔ (کہ ان کی دعا ایسے مقبول وقت میں بھی قبول نہیں ہوتی)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کاری اور بدکاری ایسی نحوست ہے، جو دعاؤں کی قبولیت میں بھی بڑی رکاوٹ بنی رہتی ہے، اور مقبول اوقات میں بھی ایسے لوگوں کے لیے قبولیت کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ماظهرت الفاحشة فی قوم قط يعمل بها فيهم علانية الا ظهر فيهم الطاعون و الاوجاع اللتی لم تكن فی اسلافهم۔** (ابن ماجہ ۲۹۔ الترغیب والترھیب رقم ۳۶۸۵) جب بھی کسی قوم میں برسرعام بےحیائی اور بدکاری کی کثرت ہوگی تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔

آج اس حدیث کی صداقت بالکل عیاں ہے، دنیا میں جہاں جہاں بھی فحاشی وبدکاری عروج پر ہے، وہاں ایسی بیماریاں جنم لے رہی ہیں جن کا کبھی پہلے نام بھی نہیں سنا گیا تھا، اور میڈیکل سائنس بھی ہزار ترقیوں کے باوجود ان مہلک امراض کا علاج دریافت کرنے میں ناکام نظر آ رہا ہے۔

یاد رکھیں! یہ امراض ختم ہونے والے نہیں ہیں، ان بیماریوں کا خاتمہ تبھی ہوسکتا ہے، جب معاشرہ سے بدکاریوں کا خاتمہ کر دیا جائے؛ جب تک بے حیائیاں، فواحش ومنکرات اور ناجائز جنسی تعلقات کا چلن رہے گا، حدیث بالا کی پیشین گوئی کے مطابق معاشرہ میں جان لیوا اور ناقابل علاج امراض جنم لیتے رہیں گے؛ لہٰذا پرسکون اور کامیاب زندگی کے لئے معاشرے سے تمام بدکاریوں کو اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: زنا قرض کی طرح ہے اور اس قرض کی ادائیگی بھی زنا کاروں

کے گھر سے ہی ہوتی ہے، جو اس بدکاری میں مبتلا ہوگا، اس کا گھر اور خاندان بھی اس سے محفوظ نہیں رہے گا۔

آپ نے فرمایا:

عفوا تعف نسائکم فی المحرم
تم پاکدامنی اختیار کرو تمہاری عورتیں پاکدامن رہیں گی
وتجنبوا مالا یلیق بمسلم
اور ان امور سے بچو جو مسلمان کی شان کو زیبا نہیں
ان الزنا دین فان اقرضته
زنا قرض کی طرح ہے اگر تو اس کا مرتکب ہوا
کان الزنا من اهل بیتک فاعلم
تو بدلے میں وہ لوٹ کر تیرے گھر بھی آئے گا یہ جان لے
یاهاتکا حرم الرجال وقاطعا
اے لوگوں کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے والے اور محبت
سبل المودة عشت غیر مکرم
کی راہوں کو قطع کرنے والے تو زمانہ میں رسوا ہوگا
لو کنت حرا من سلالة ماجد
اگر تو شریف اور باعزت خاندان کا فرد ہوتا
ما کنت هتاکا لحرمة مسلم
تو کسی مسلمان کی آبروریزی نہ کرتا
من یزن یزن به ولو بجداره
جو زنا کرے گا اس کے یہاں زنا ہوگا چاہے دیوار کی اوٹ میں ہو
ان کنت یا هذا لبیبا فافهم
اے آدمی اگر تو عقلمند ہے تو اس کو اچھی طرح سمجھ لے

(دیوان الامام الشافعی ٢١٤)

علماء نے لکھا ہے کہ جو عورت مرد پر شرعا حرام ہے، اس سے نکاح کرنا بھی زنا ہی کے حکم میں ہے؛ بیوی کے نکاح سے نکل جانے کے بعد اس کو اپنے پاس روکے رکھنا اور اس سے اپنی خواہش پوری کرنا بھی زنا ہی ہے، اپنی بیوی یا باندی سے حیض ونفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اسی میں داخل ہے، ہم جنس پرستی یا کسی جانور سے شہوت پوری کرنا وغیرہ بھی اسی میں داخل ہے۔ (شامی، تفسیر قرطبی)

مذکورہ آیت کریمہ میں کامیاب مؤمنین کی یہ صفت بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور خواہشات نفس کو جائز طریقوں سے ہی پورا کرتے ہیں۔

فانهم غير ملومين، لہٰذا ان لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ آیت کریمہ کے اس ٹکڑے میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت ہی کے درجے میں رکھنا ہے، مقصد زندگی نہیں بنانا ہے، اس کا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابل ملامت نہیں ہے۔

پانچویں صفت

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ: پانچویں صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ امانتوں اور عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں۔ لفظ امانت کے لغوی معنی ہر اس چیز کو شامل ہیں، جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا گیا ہو، امانت کی بے شمار قسمیں ہیں، اس لیے مصدر ہونے کے باوجود اس کو جمع کے صیغے کے ساتھ لایا گیا ہے، تاکہ امانت کی سب قسموں کو شامل ہو جائے، خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے، حقوق اللہ سے متعلق امانات تمام شرعی فرائض وواجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات ومکروہات سے پرہیز کرنا ہے، حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت کا داخل ہونا تو مشہور ومعروف

ہے، کہ کسی شخص نے کسی کے پاس اپنا کوئی مال حفاظت وغیرہ کے طور پر رکھ دیا، اس کو حفاظت کے ساتھ واپس کرنا امانت ہے؛ اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کہی تو بغیر شرعی اجازت کے اس کو ظاہر نہ کرنا بھی امانت ہے؛ مزدور اور ملازمین کو جو کام سپرد کیا گیا اور اس کے لئے جتنا وقت طے کیا گیا، اس پورے وقت کو اس کام میں لگانا بھی امانت ہے۔

الغرض لفظ امانت اپنے اندر ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، اس کے دائرے میں عبادات سے لے کر معاملات تک زندگی کے تمام شعبے داخل ہو جاتے ہیں۔

امانت کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے ایک لمبی روایت مروی ہے، جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے امانت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ نماز بھی امانت ہے، وضو بھی امانت ہے، تولنا بھی امانت ہے، اور ناپنا بھی امانت ہے اور پھر کئی چیزیں گنائیں؛ اور ان میں سب سے زیادہ اہم چیز ودیعتیں ہیں۔ (یعنی دوسروں کی طرف سے رکھوائی گئی امانتیں) (شعب الایمان، رقم ۵۲۶۶)

ارشاد ربانی ہے: **إِن اللّٰہَ یَأْمُرُ کُمْ أَن تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلی أَھْلِھَا۔** (سورہ نسا ۵۸)
یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے اہل کی طرف لوٹا دو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: **یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰہ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِکُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔** (الانفال ۲۷) اے ایمان والو! اللہ سے اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ ہی آپس میں جان بوجھ کر اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

مذکورہ آیت ایک صحابی حضرت ابولبابہ ابن المنذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنہوں نے غزوۂ بنو قریضہ کے موقع پر اپنے اہل وعیال کے تحفظ کی غرض سے پیغمبر علیہ السلام کا ایک راز ظاہر کر دیا تھا اور بعد میں انہیں اس پر سخت ندامت ہوئی تھی۔ فوراً حکم الٰہی نازل ہوا اور تمام مومنین کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: کہ تم امانتوں میں خیانت نہ کیا کرو (خواہ کسی بھی قسم کی امانتیں ہوں، ان کا تعلق قومی وملی معاملات سے ہو یا ذاتی اور انفرادی معاملات سے،

ہر طرح کی خیانت ممنوع ہے)

جذبۂ امانت وہ عظیم نعمت ہے، جس کی بدولت انسان کو حقیقی ایمان کی چاشنی نصیب ہوتی ہے، اور جس میں اس ذمہ داری کا احساس نہ ہو وہ کبھی بھی کامل ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ پیغمبر علیہ السلام نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا: **لا ایمان لمن لا امانة له** (مسند احمد ۱۲۳۲۴۔ الترغیب ۴۵۴۶) جس شخص میں امانت داری نہ ہو وہ گو یا ایمان ہی سے محروم ہے۔

آج معاشرہ میں امانت داری کا فقدان نظر آ رہا ہے، لوگ زبانی طور پر امانت کا اظہار تو کرتے ہیں، لیکن اندرونی معاملات خیانتوں سے بھرپور ہوتے ہیں۔ یہ ایک بہت سنگین صورت حال ہے، امت کا ایک بڑا طبقہ اس سے دو چار ہے؛ ہمیں امانت داری کی اہمیت وفوائد اور خیانت کے نقصانات کو سمجھنا چاہیے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم معاملات میں خیانت کر کے اور ہاتھ کی صفائی دکھا کر پکڑ سے بچ جائیں گے؟ یاد رکھیں! یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے اور صرف وقتی خوش فہمی ہے، خائن دنیا میں بھی رسوا ہوتا ہے اور آخرت میں بچنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ صحیح احادیث میں صراحت ہے کہ جہنم کے اوپر پل صراط بنایا جائے گا، جب لوگ اس پر گزرنے شروع ہوں گے تو اس کے سرے پر امانت داری اور رشتہ داری کو مجسم شکل میں بٹھا دیا جائے گا، اور جس نے ان دونوں کی حق تلفی کی ہوگی، انہیں پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **وترسل الامانة والرحم فتقومان جنبتی الصراط یمینا وشمالا۔** (مسلم شریف ۱/ ۱۱۲) اور امانت اور رشتہ قرابت کو چھوڑ دیا جائے گا، چنانچہ وہ پل صراط کے دائیں بائیں کنارے پر کھڑے ہو جائیں گے۔

مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: **المعنی ان الامانة والرحم لعظم شانهما وفخامة ما یلزم العباد من رعایة حقهما یوقفان هناک للامین والخائن والواصل والقاطع فیحاجان عن الحق ویشهدان علی المبطل۔** (فتح الباری ۱۴/ ۵۵۳) اور مطلب یہ ہے کہ امانت داری اور رشتہ داری کی عظمت شان اور بندوں پر لازم

ان کے حقوق کی رعایت کی عظیم اہمیت کی بنا پر ان دونوں کو پل صراط پر امین، خائن، رشتہ داری کا خیال رکھنے والے اور قطع تعلق کرنے والے کے لئے کھڑا کیا جائے گا، پس یہ دونوں اپنا حق ادا کرنے والے کی طرف سے دفاع کریں گے اور باطل شخص کے خلاف گواہی دیں گے۔

لہٰذا اگر ہمیں اپنی نجات کا خیال ہے اور پل صراط پر بعافیت گزرنے کی فکر ہے تو امانت ودیانت کو لازم پکڑنا ضروری ہے، کامیاب مومنین کی پانچویں صفت یہی بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ امانتوں کا لحاظ رکھتے ہیں، ان میں خیانت کے مرتکب نہیں ہوتے۔

چھٹی صفت

چھٹی صفت عہدوں کو پورا کرنا ہے، جو آیت کریمہ **(وَالذِینَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُون)** کا دوسرا جز ہے۔ عہد ایک تو وہ معاہدہ ہے، جو دونوں طرف سے کسی معاملہ کے سلسلہ میں لازمی قرار دیا جائے، اس کا پورا کرنا فرض ہے اور اس کے خلاف کرنا غدر اور دھوکہ ہے، جو کہ حرام ہے، اور دوسرا وہ ہے جس کو وعدہ کہتے ہیں، یعنی ایک طرفہ صورت سے کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی سے کسی چیز کے دینے، نہ دینے، کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا وعدہ کر لے، اس کا پورا کرنا بھی شرعاً لازم اور واجب ہوجاتا ہے۔ حدیث میں ہے: **العدة دين،** (المعجم الاوسط للطبرانی رقم ۳۵۱۳) یعنی وعدہ ایک قسم کا قرض ہے، جیسے قرض کی ادائیگی واجب ہے، ایسے ہی وعدہ کا پورا کرنا بھی واجب ہے، بلا کسی شرعی عذر کے اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔

مذکورہ دونوں قسموں (معاہدہ، وعدہ) میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم (معاہدہ) کے پورا کرنے پر دوسرا آدمی اس کو بذریعۂ عدالت بھی مجبور کرسکتا ہے، اور یک طرفہ وعدہ پورا کرنے پر بذریعۂ عدالت مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ دیانۃً اس کا پورا کرنا واجب ہے اور بلا کسی شرعی عذر

اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔

اسلام میں عہد کو پورا کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔قرآن کریم میں جگہ جگہ ایفائے عہد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور عہدوں کو پورا کرنے والوں کی تعریف اور عہد شکنی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔پیغمبر علیہ السلام نے بھی اپنے بیشتر ارشادات میں ایفائے عہد کی اہمیت اور وعدہ خلافی کی برائی کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو: **لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له۔** (السنن الکبری للبیهقی رقم ۱۲۸۱۵) اس کا کوئی ایمان نہیں ہے، جو امانت دار نہیں ہے، اور اس کا کوئی دین نہیں ہے، جو عہد کو پورا کرنے والا نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید وفروخت کا ایک معاملہ کیا، کچھ رقم میں نے ادا کردی اور کچھ باقی رہ گئی، میں نے وعدہ کیا کہ باقی رقم میں ابھی آکر ادا کردوں گا، اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہیں آیا، تیسرے دن جب میں اس جگہ پہونچا جہاں میں نے آنے کا وعدہ کیا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا، اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ میری وعدہ خلافی سے آپؐ کے چہرے پر ذرہ برابر بھی بل نہیں آیا، بس صرف اتنا ہی فرمایا: کہ تم کہاں تھے؟ میں اس مقام پر تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد ۲/ ۳۳۴)

بیشتر احادیث میں عہدوں کو پورا کرنے کی تاکید اور اس کی خلاف ورزی کرنے کی مذمت کی گئی ہے؛ ہماری زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جو وعدہ یا معاہدے سے خالی ہو، لیکن افسوس یہ ہے کہ جس قدر کثرت کے ساتھ یہ ہماری زندگیوں کا حصہ ہے، اسی قدر ہم اس میں غفلت، لاپرواہی اور بے اعتنائی کے شکار ہیں۔ ہمارے دلوں میں عہد اور معاہدے کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وعدے کا تعلق صرف قرض وغیرہ کے لین دین سے

ہے، حالانکہ زندگی کے تمام مراحل میں ہم عہد و پیمان سے گزرتے ہیں، عبادات سے لے کر معاملات تک ہمیں عہد اور معاہدہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا عزم کریں کہ ہمارا کوئی بھی چھوٹا، بڑا وعدہ یا معاہدہ پابندی اور پاسداری کے بغیر نہ ہوگا، یہ ہمارا فریضہ بھی ہے اور متعدد الجھنوں کا حل بھی ہے۔ کامیاب مومنین کی چھٹی صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرتے ہیں، (خواہ کسی عقد کے ضمن میں کیا ہو یا ابتداء کیا ہو) عہد شکنی نہیں کرتے۔

ساتویں صفت

وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِھِمۡ یُحَافِظُوۡنَ: ساتویں صفت نمازوں پر محافظت ہے، نماز کی محافظت سے مراد نمازوں کی پابندی کرنا اور ہر نماز کو اس کے مستحب وقت میں ادا کرنا ہے۔

نماز اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے، قرآن وحدیث میں نماز کی اہمیت وفضیلت کو کثرت سے ذکر کیا گیا ہے اور نماز قائم کرنے پر بڑے بڑے وعدے اور چھوڑنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: نماز قائم کرو، یقینا نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ (العنکبوت ۴۵) ایک دوسری جگہ ہے، اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ ۱۵۳) ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی فرماتا ہے: میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز ادا کرتے رہوگے اور زکوۃ دیتے رہوگے۔ (المائدۃ ۱۲)

پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب اور کامران ہوگا اور اگر نماز درست نہیں ہوئی تو وہ ناکام اور خسارے میں ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم سے معلوم کیا کہ اللہ کو کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ الخ (بخاری، مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، جو ان نمازوں کو اس طرح لے کر آئے کہ ان میں لاپرواہی سے کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے تو اللہ تعالی اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے؛ اور جو ان نمازوں کو اس طرح لے کر آئے کہ ان میں لاپرواہیاں اور کوتاہیاں کی ہوں تو اللہ تعالی کا اس سے کوئی عہد نہیں ہے، چاہیں اس کو عذاب دیں، چاہیں معاف فرمادیں۔ (مؤطا امام مالک، ابن ماجہ)

نمازوں کے سلسلہ میں پیغمبر علیہ السلام کا حال یہ تھا کہ آپ فرض نمازوں کے علاوہ دیگر نمازوں (تہجد، چاشت، اشراق، اوابین، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو وغیرہ) کا بھی بہت اہتمام فرماتے تھے۔ خاص مواقع پر بھی اپنے رب کے حضور توبہ اور استغفار کے لیے نماز ہی کو ذریعہ بناتے تھے۔ سورج یا چاند گرہن ہوتا تو مسجد تشریف لے جاتے، زلزلہ، آندھی، طوفان حتی کہ تیز ہوا بھی چلتی تو مسجد تشریف لے جا کر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ فاقہ کی نوبت آتی یا کوئی بھی پریشانی اور مصیبت آتی تو فورا نماز ادا فرماتے، سفر سے واپس ہوتے تو پہلے مسجد جا کر نماز ادا کرتے۔

لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ دیگر نمازوں کا بھی اہتمام کریں، اگر کوئی پریشانی یا مصیبت آجائے تو نمازوں کی ادائیگی اور صبر کے ذریعے اللہ تعالی سے مدد مانگیں۔

الغرض نماز اسلام کا ایک اہم ترین بنیادی ستون ہے۔ کامیاب مومنین کی ساتویں صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ پابندی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ مذکورہ سات صفات کو شروع بھی نماز سے کیا گیا ہے اور ختم بھی نماز پر کیا گیا ہے، اس میں اشارہ ملتا ہے کہ اگر

نماز پابندی اور آداب کے ساتھ ادا کی جائے تو باقی صفتیں خود بخود پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔

یہ سات صفات اتنی جامع ہیں کہ حقوق اللہ، حقوق العباد اور ان سے متعلقہ احکام ان صفات کے اندر آجاتے ہیں۔ جو آدمی ان مذکورہ صفات کے ساتھ متصف ہو جائے اور ان پر جما رہے، وہ مؤمن کامل ہے، دنیا اور آخرت کی کامیابی کا مستحق ہے۔ اللہ ربّ العالمین نے ایسے لوگوں کو جنت الفردوس میں داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے، جو جنت کا اعلیٰ حصہ ہے اور جہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ، الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْن۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہے، اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ لفظ وارث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح مورث کا مال اس کے وارث کو پہونچنا قطعی اور لازمی ہے، اسی طرح ان مذکورہ صفات سے متصف لوگوں کا جنت میں داخلہ بھی یقینی ہے۔

اللہ رب العالمین ہمیں مؤمن کامل بننے اور مذکورہ سات صفات اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، اور الہ العالمین ہمیں دنیا وآخرت میں کامیابی اور سرخ روئی عطا فرمائے۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، وَتُبْ عَلَيْنَآ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، وَصَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔